OPEN ACCESS
Al-Nasr
ISSN (Online): 2958-9398
ISSN (Print): 2959-1015
https://alnasrjournal.com

قرونِ وسطیٰ میں فکری تحدیات اور مسلم مفکرین کا فہمِ نص

Intellectual Challenges in the Middle Ages and the Understanding of the Text by Muslim Thinkers

Dr. Ahmad
Assistant Professor of Islamic Studies, Punjab University of Technology Rasul, Mandi Bahauddin
Dr. Hafiz Muhammad Abrar Awan
Assistant Professor, Department of Urdu, Encyclopedia of Islam, Allama Iqbal Campus, Punjab University, Lahore
Mubashar Hasain
M Phil Scholar, The University of Faisalabad, Faisalabad

Abstract

Epistemology of Western Civilization is famous all over the world. Sense and intellect have preference in sources of knowledge over revelation. In the result the position of the Prophets had forbidden. Western Scholars and Thinkers have honor and well respected. A large number of people are inspiring them. The waves of Secularism and Atheism have increased due to it. It is need of the hour that Muslim Thinkers increase their efforts for the comprehension of Quranic Text. It is much important in contemporary intellectual challenges. This article encourages the Muslims that Islam had also faced challenges in the middle ages, similar to the above mentioned. Muslim Philosophers, Scholars and Intellectuals solved all problems. They were well known of Texts. Their efforts to understanding the text lead us today. It is a narrative study of their intellectual efforts told by the modern historians. Problem of both eras are examined and solution is made through it.

Keywords: *Atheism, Epistemology, Intellect, Prophets, Quranic Text, Revelation, Secularism, Sense, Western Civilization*

CC BY

تمہید

قرون وسطیٰ میں مسلمانوں نے اسلام کو درپیش فکری تحدیات کا بھرپور انداز سے سامنا کیا۔ انھوں نے دینی ادب کے مصادر کی نصوص کا گہرا مطالعہ کیا، اور اپنی طرف سے بہتر حل پیش کیے۔ انہیں یقین تھا کہ یہ نصوص سمجھ آجائیں، تو پیش آمدہ مسائل کے حل میں بہت معاون ہوتی ہیں۔ اس دور میں انہوں نے نظریہ علم پیش کیا کہ وحی الٰہی ایک ایسا ذریعہ علم ہے، جسے عقل انسانی پر ترجیح حاصل ہے۔ وہ دور فلسفیانہ افکار کی منتقلی کا تھا، مسلمانوں نے ان افکار کو سمجھا اور ان کو اپنے دینی مسلمات پر حاوی نہ ہونے دیا۔ مسلم فکر کا وہ درخشاں دور تھا، جس میں مقام انبیاءؑ کی فوقیت ثابت ہوئی۔ تب جو مفکرین یونانی فلسفہ سے متاثر تھے، انھوں نے بھی وحی الٰہی کی تعلیمات کو معیار حق مانا، اور اس کی روشنی میں فلسفہ بیان کیا۔ اگرچہ تشکیک، الحاد و زندیقیت کی طرف لوگ مائل ہنا شروع ہو گئے، لیکن مسلم مفکرین نے ایسے انحرافات اور عقلیت پرستی کا سدباب کر دیا۔ اس تناظر میں ان سطور میں مسلم مفکرین کے فہم نص کا مطالعہ پیش کیا جارہا ہے۔

فکری تحدیات میں فہم نص کی اہمیت

وحی کو نصوص میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنی منتخب ہستیوں کو پیغام رسالت اور منصب خلافت سے سرفراز فرماتا ہے تو انہیں طاغوتی قوتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تہی دست نہیں چھوڑتا بلکہ انہیں بالمقابل تحدیات کا سامنا کرنے کے لیے متون کے ساتھ حسب حال اپنی نشانیاں اور معجزات بھی عطا فرماتا ہے، تاکہ احقاق حق اور ابطال باطل ہو جائے۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سب سے بڑی برہان قرآن مجید کی صورت میں عطاء فرمائی، جو انسانی عقل و بصیرت کے عروج کا سبب بنی۔ اسے کام میں لاکر قرون وسطیٰ کے صاحب ایمان مفکرین نے فکری میدان میں کامیابی و کامرانی کے جھنڈے گاڑے۔ ان کی جدوجہد کو مد نظر رکھ کر آج کے مفکرین بھی مغربی تہذیب کی فکری یلغار کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

دور حاضر میں حال یہ ہے کہ عاد و ثمود کے نقش قدم پہ عالمی طاغوتی تہذیب، جس کے نمرود و فرعون صفت حکمران، نظام کبریائی میں دخل اندازی کیلئے کوشاں ہیں، اور اپنی فطری جلدبازی سے حق کو مٹاکر، خاتمے کے وقت کی سوچ میں ہیں۔ اس سے اپنے دور عروج میں دنیا پر اپنا سکہ جمانے والے، داخلی مسائل میں گھرے ہوئے، مسلمانوں کی بے وقعتی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی۔ نصوص قرآنی سے تعلق کے لحاظ سے علامہ اقبال نے قدیم اور جدید مسلمانوں کے عروج و زوال کے سبب کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر — اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر[1]

بلا شک و شبہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ نص قرآن و حدیث، تا قیامت ہر دور کے انسان کی عقل کو عاجز کر کے درست رہنمائی کرنے کیلئے روشن و منور مشعل راہ ہے۔ جس سے اکتساب کر کے آزمائشوں میں ثابت قدمی ہی تمام مسائل کو حل کرنے کیلئے درست اور کارآمد شعار ہے۔ ہمیں چاہیے کی نصوص کی طرف رجوع کریں اور ان سے تعبیر نص حاصل کرنے میں کوشاں عبقری زعماء کی قدر دانی کریں اور بذات خود اس بلند مرتبے پر پہنچنے کی آرزو رکھیں جس سے امت مسلمہ کی سربلندی کی منزل قریب تر محسوس ہو۔

لغوی طور پہ کسی چیز کو مرفوع کرنا اور عظیم المرتبت اکابر کی طرف سند لے جانا نص کہلاتا ہے۔ یہ کلام کے وہ معنی ہیں جس کے لیے وہ صادر ہوا ہے،[2] نیز یہ متکلم کے ظاہری کلام کو زیادہ واضح کرنے والی ہے۔[3] بعض احادیث میں یہ لفظ محض لغوی مقاصد کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اجزائے نص چار ہیں، جن میں سے صرف عبارۃ النص پر ہی لفظ نص کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ باقی تینوں صورتیں: اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص، تشریح و توضیح کی بناء پر اس کے معنوی اطلاقات اور تعبیر نص ہیں۔[4]

دورِ نبوت یعنی خیر القرون کے بعد امت مسلمہ کو فکری تحدیات در پیش تھیں۔ ان کے حل کیلئے، مسلم دانشوروں نے فہم نص کے باب میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ان کی ان کاوشوں کا آنے والے صفحات میں مطالعہ کیا جائے گا۔ امت مسلمہ کو اپنے عروج کے دور، اور پھر زوال کے ایام میں آزمائشیں اور عصر حاضر میں نشاۃ ثانیہ کی امنگ میں کئی طرح کے چیلنجز اور تحدیات در پیش رہی ہیں اور آئندہ بھی رہیں گی۔ ان کے حل کیلئے قدیم علمائے اسلام نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اپنے فکری میادین کا انتخاب کیا اور اپنی تحقیقات میں قابل عمل نتائج پیش کیے۔ انکے مطمح نظر میں خاتم النبیین ﷺ کا وہ ارشاد ہمیشہ موجود رہا جو کامرانی کی نوید سناتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

انی قد ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعدھما کتاب اللہ وسنتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض۔[5]

"میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، جب تک تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے، ہر گز گمراہ نہیں ہوگے، اللہ تعالی کی کتاب اور اس کے نبی اکرم (ﷺ) کی سنت، اور یہ دونوں جدا نہیں ہونگی حتی کہ میرے پاس حوض کوثر تک پہنچ جائیں"

قدیم فکری تحدیات کی تحدید

تحقیق ہٰذا میں قرون وسطیٰ کے فکری تحدیات میں سے چند ایک پر تحقیق کی گئی ہے۔ اسلاف نے اولیات متعارف کراتے ہوئے متعدد طریقہ ہائے تحقیق اپنائے، جن کی روشنی میں فکری دبستان قائم ہوئے۔ انہوں نے بنی اسرائیل کے انبیاء جیسا کار منصبی نبھاتے ہوئے، قرآن و سنت کی نصوص کو بنیاد بنایا۔ اس کے نتیجے میں تحدیات دور ہوتے چلے گئے۔ ذیل میں چند قدیم فکری تحدیات کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں ذرائع علم میں عقل کی ترجیح کا رجحان، فلسفیانہ افکار کی اثر پذیری، مقام انبیاءؑ سے عدم توجہی، مفکرین یونان کو معیار حق ماننا، تشکیک، زندیقیت اور عقلیت پسندی کے رجحانات شامل ہیں۔ اب ہم ان کے بارے میں مسلم مفکرین اور اصولی دبستانوں کی طرف سے نصوص فہمی، اور ان کے حل کی کاوشوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

الف۔ ذرائع علم میں عقل کی ترجیح کا رجحان

انسان اپنی عقل کی وجہ سے اشرف المخلوقات کے منصب پر فائز ہے، جسے تخلیق کرتے وقت خالق کائنات نے ارضی خلیفہ بنا کے مسجود ملائکہ بنایا تھا۔ ساخت و تشکیل خلقت میں انسان کی ممتاز حیثیت علامہ ابن خلدون کی نظر میں یہ ہے کہ اللہ نے ہر حیوان کو ایک خاص عضو بدنی مرحمت فرمایا، اورانسان کو اس کے عوض عقل نصیب ہوئی اور ہاتھ عطاء ہوئے۔[6] قسام ازل نے قابلیتوں کے لحاظ سے انسان کی قسمت میں عقل رکھی تو اس کا موجب نص قرآنی کی ایک اشاری تفسیر میں یوں ملتا ہے کہ غالبا امانت کی پیشکش تک انسان میں دیگر مخلوقات جتنا ہی شعور ہوگا، اور میثاق کے وقت اس میں عقل عطاء کی گئی ہوگی، جو حمل امانت کی فرع ہے۔[7] ابن منظور افریقی لفظ عقل کو، روکنے اور دانشمندی کے نام سے موسوم کرتے ہیں، جس کی منزل دماغ ہے۔[8] قرآن مجید میں لفظ عقل عام معنوں میں لفظ "فقہ" "یعنی" "سمجھ" کے مترادف کے طور پر استعمال کیا گیا ہے،[9] نیز عقل و دانش اور بصیرت کے لیے حکمت کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ جو غیر آلی نظر ہے،[10] جس میں انسانی طاقت کے مطابق اشیاء کی حقیقت سے بحث کی جاتی ہے۔ یہ ایجاد، علم اور افعال کے معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے۔

جب مسلمان فتوحات سمیٹتے جزیرۃ العرب سے باہر نکلے تو علوم عقلیہ میں ان کی دلچسپی بڑھی۔ تب عقل انسانی اور اس کے کارناموں سے لیس کفر، ملت واحدہ کے طور پر، امت مسلمہ کیلئے فکری محاذ بپا کیے ہوئے تھا۔ جلیل القدر عباسی خلیفہ مامون الرشید فلسفہ اور عقلیات کا بہت دلدادہ تھا۔ اس نے دار الحکمہ میں تراجم کا سلسلہ شروع کیا اور قیصر روم کو کتب ارسال کرنے کا

کہا۔ جس نے پادریوں کے ایماء پر منظور کر لیا۔ مسیحی زعماء نے اپنے تجربات کی روشنی میں رائے قائم کی تھی کہ مسلمانوں میں فلسفہ پھیلا تو ان کے مذہبی جوش وخروش کو ٹھنڈا کرے گا۔[11]

1۔ الکندی کا فہم نص

مسلمانوں کی عقلی علوم میں انہماک کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا نے ۹۰۰ء تا ۱۲۰۰ء کے عرصے میں عربی زبان کو سائنسی اور معیاری زبان تسلیم کیا۔[12] ذرائع علم میں عقل کی ترجیح کے رجحان کے لحاظ سے مسلم فلاسفہ میں متوازن، خالص فلسفی، راسخ العقیدہ اور دہریے ہر طرح کے دانشور ملتے ہیں۔ باری تعالیٰ کے لیے واجب الوجود کی اصطلاح متعارف کرانے والے مسلم فلاسفہ کے مقتدیٰ، ابو یوسف یعقوب بن اسحق الکِندی (۱۸۵ھ تا ۲۵۹ھ) میں، معتزلہ سے قربت کی وجہ سے عقلیت پسندی کا شعار تھا، جس میں فلاسفہ یونان کا شارح ہونے کی وجہ سے مزید پختگی آئی۔ اس کے ہاں فلسفہ کا دین سے مستحکم تعلق ناگزیر ہے۔[13]

2۔ ابونصر فارابی کا فہم نص

ابوالنصر محمد فارابی (۲۶۰ھ۔ ۳۳۹ھ) مسیحی دانشوروں کا شاگرد تھا، اور مختلف زبانوں میں مہارت رکھتا تھا۔ اس نے فلسفہ کو انسانی دانش کی معراج ثابت کرنے میں اس خلیج کو نظر انداز نہیں کیا، جو اسلامی دنیا کو، یونانی فلسفہ کے ثقافتی ماحول سے جدا کرتی ہے۔[14] اس کے بقول صرف عقل، خیر وشر میں امتیاز کر سکتی ہے، لہذا عقل کے ذریعے ہی کیوں نہ اس کی تشریح ہو؟ وہ کائنات کی ایسی فلسفیانہ تشریح کرنا چاہتا تھا، جو دین اسلام کے متناقض نہ ہو، اور جہاں کہیں اس نے اختلاف پایا وہاں اس نے چشم پوشی اختیار کی۔[15]

3۔ ابن رشد کا فہم نص

ناقابل فراموش عربی فلسفی، ابوالولید محمد ابن رشد (۱۱۲۶ء۔ ۱۱۹۸ء) نقل وعقل میں یکساں تخصص رکھتے ہیں۔ فریقین کے قائم کیے گئے نظریات کے مطالعے سے وہ اس نتیجے پہ پہنچے کہ نصوص میں تاویل جائز ہے مگر صرف ان لوگوں کے لیے، جو صاحب نظر اور ماہر فن ہیں۔ عام لوگوں کو صرف ظاہری معنی کی تلقین کرنی چاہیے۔[16] ابن رشد مزید کہتے ہیں کہ جمہور کے سامنے تاویل کی صراحت مناسب نہیں۔ ابو حامد غزالی کی طرح ایسی باتیں خطابی اور جدلی دلائل کی کتب میں ثابت نہ کی جائیں۔ ماہر طبیب کا مقصد حفظ صحت اور ازالہ امراض ہے۔ برہانی طریقے کو عوامی طریقہ بتانا شرع کو باطل کرنا ہے۔ جمہور عوام ان تاویلات کو سمجھنے سے قاصر رہ کر تصدیق نہ کر پائیں گے چنانچہ یہ صراحت اعتقادات باطل کر دے گی۔[17]

4۔ متکلمین کا فہم نص

تاریخ اسلام سے پتہ چلتا ہے کہ ذرائع علم میں عقل کے برپا کیے گئے فکری محاذ پر علمائے اسلام نے کلامی انداز سے بھی نبرد آزمائی کی، حتی کہ مسلم علم کلام مضبوط بنیادوں پر استوار ہو گیا۔ یہ وہ علم ہے جو عقائد ایمانیہ پر عقلی دلائل پیش کرتا ہے۔[18] متقدمین کے ہاں اس کا موضوع اللہ پاک کی ذات وصفات ہیں۔[19] اس علم کے لیے ایمان ویقین، عقل وفہم اور دین ونص لازم ہیں۔[20] اس سے حق وباطل میں تمیز ہوتی ہے، فلسفہ کی غلطیاں پکڑی جاتی ہیں، کفار، ملاحدہ وزنادقہ کو سر جھکانا پڑتا ہے اور علوم وحی کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔[21]

عصر حاضر میں مسلمانوں کو تصورِ علم اور اس کے ساتھ ساتھ ذرائع علم میں عقل وحِس کی برتری کا چیلنج بھی درپیش ہے۔ پوری دنیا میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا ڈنکا بج رہا ہے۔ اب سائنس فلسفے سے بڑھ گئی ہے۔ انسانی تجربہ اور مشاہدہ یقینی علم کہلاتا ہے۔ مسلم دانشور اپنے تئیں دین ومذہب کو درپیش چیلنج کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ قرون وسطیٰ میں اور آج کے دور میں فرق یہ ہے کہ اب مسلمان زوال کا شکار ہیں۔ اب مسلمانوں کو زیادہ تدبر اور محنت سے نصوص فہمی کرنا ہوگی۔

ب۔ فلسفیانہ افکار کی اثر پذیری

اسلامی فتوحات کا دائرہ جزیرہ نما عرب سے باہر پھیلا تو عربوں کو یونان کے فلسفیانہ افکار سے سابقہ پڑا، جن کی بہت زیادہ اثر پذیری تھی۔ فلسفہ کسی خیال کے بارے میں خیال ہے۔[22] اس کے معنی حکمت کو ترجیح دینے کے ہیں۔[23] فلسفہ یونان کا آغاز چھٹی صدی قبل مسیح سے ہوا۔[24] اس کے تین بڑے ماقبل سقراطی، سقراطی اور مابعد سقراطی ادوار ہیں، جن میں مختلف نظریات کے حامل محققین ہو گذرے ہیں۔ جن میں سے سقراط، افلاطون اور ارسطو، حکمائے الٰہیین کے زمرے میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ارسطو نے الٰہیات میں اس فرقے کے اصول و قواعد کو مستحکم اور مدلل کیا۔[25] اس نابغہ روزگار حکیم کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ مغربی جدیدیت میں ہر سنجیدہ ترقی کو، ارسطو کے کسی نظریئے پر حملہ کرکے ابتداء کرنا پڑی۔[26]

1۔ یونانی فلسفے کے مترجمین کا فہم نص

خلافت عباسیہ کے پایہ تخت بغداد کے زیر اثر مسلمانوں کی فلسفے میں تحقیقات کو اسلامی، مشرقی یا ایرانی فلسفے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، جبکہ بربر و ہسپانوی خطے کی فلسفیانہ خدمات مغربی یا عربی فلسفہ کہلاتی ہیں۔ مسلمانوں میں یونانی فکر و فلسفہ مسیحی دانشوروں کے ذریعے آیا۔ جس سے عقلیت پسندانہ نظریات عام ہوئے، ضرورت تھی کہ حکمائے یونان کی تحقیقات کا براہ راست مطالعہ کیا جائے۔ اسی لیے کندی، فارابی اور ابن رشد جیسے مسلم اہل علم نے اپنی توجہ اس طرف مبذول کی۔

2۔ مسلم فکری طبقات کا فہم نص

مسلم فلاسفہ نے یونانی فلسفے میں رسوخ حاصل کرنا شروع کیا تو مشاہیر مسلم فلاسفہ نے کئی رجحانات قائم کیے۔ یونانی فلسفے کے مطالعے نے ان پر اثرات مرتب کیے اور انہوں نے اس پر اثرات ڈالے۔ عقل اور وحی کے متعلق مسلمان تین گروہوں: متکلمین، صوفیاء اور عقلیت پسند میں منقسم ہیں۔ متکلمین کے دو گروہ تھے: عقلیت پسند اور اسنادی متکلمین۔[27] مسلم علم کلام میں عقل و نقل کے تعیین میں دو انتہائیں واقع ہوئیں: ظواہر نصوص سے منسلک ہیں، تو معتزلہ عقلیت پسند مشہور ہیں۔ متوازن نظاموں میں اشاعرہ کی نسبت ماتریدیہ میں زیادہ معقول نظریات پائے جاتے ہیں۔[28] عصر حاضر میں سائنسی افکار کی اثر پذیری زیادہ ہے۔ دنیا سائنسی انداز سے سوچتی ہے، اور سائنسی زبان میں کہی گئی بات کی وقعت ہوتی ہے۔ قدیم زمانے کی نسبت عصر حاضر میں سائنسی تالیفات کے ترجمہ کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہے۔ پوری دنیا کی طرح مسلم ممالک میں انگریزی زبان بطور عالمی زبان رائج ہے۔ اب قومی زبانوں میں تراجم کی طرف بڑھنا ہوگا، اور تجربہ گاہوں میں تحقیقات کو فروغ دینا ہوگا۔ معاصر متکلمین کو سائنسی نظریات کے اثرات پر توجہ دینا ہوگی، بالخصوص نظریہ ارتقاء جیسے مقبول ہوتے نظریات پر توجہ دینے کی آج کے دور میں زیادہ ضرورت ہے۔

ج۔ مقام انبیاءؑ سے عدم توجہی

مدارج انسانیت میں انبیاء کرام بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔ جن کی تعلیمات کی بنیاد وحی الٰہی ہے۔ جسے اہل ایمان عقل و حس سے بلند تر یقینی علم کے حصول کا ذریعہ مانتے ہیں۔ ان کا درجہ ان فلسفیوں کے مقاصد سے بہت بلند ہے، جو قیاس اور گمان کی بنیاد پر گفتگو کرتے ہیں،[29] اور انبیاء کرام کی دعوت کا مرکز و محور توحید ہے، اس میں اور فلسفیانہ الٰہیات میں واجب الوجود کی وحدت کے تصور میں فرق ہے، کیونکہ فلسفیانہ عقلی فکر توحید باری تعالیٰ نہ بن سکی، جو بانیان فلسفہ کو، ایمان کی دولت سے بہرہ ور کر سکتی تھی، کیونکہ ایمان صرف انبیاء کے علم وحی کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے۔[30]

1۔ الرازی کا فہم نص

عجمی اثرات لیے ابتدائی عقلیت پسندانہ فرقوں کی طرح ابو بکر محمد بن زکریا الرازی (۸۵۴ء۔۹۲۵ء) کہ جس کی شہرت کا سبب طب اور کیمیا ہے، مقام انبیاء کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ ابو علی بن سینا (۳۷۰ھ تا ۴۲۸ھ) کے بقول وہ فلسفہ میں دخل اندازی نہ کرتا تو کم از کم یوں نفرت کا ہدف نہ بنتا۔[31] اس سے منسوب ''پیغمبروں کے کرتب'' نامی کتاب اب ناپید ہے۔ نیز اپنی ایک اور

تالیف "العلم الالہٰی" میں وہ انکار خدا کی بنیاد پر بحث کرتا نظر آتا ہے۔ شیخ الرئیس بجا کہتے ہیں: پیغمبری عطائی منصب ہے، خالق کائنات سے براہ راست اخبار غیب کا علم حاصل کرنا، کمال کا درجہ ہے۔[32]

2۔ نصیر الدین طوسی کا فہم نص

متاخرین فلاسفہ مشرق میں، محمد بن محمد بن الحسن نصیر الدین طوسی (۱۲۰۱ء۔۱۲۷۴ء) کو اہم گردانا جاتا ہے، جو اسلامی منقولات اور انبیاء و صلحاء کے بارے میں کہتے ہیں کہ بعض ایسے امور جو ہمارے دائرہ عقل میں نہ آسکیں، تو ان کی تصدیق اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ نفوس، صفائے قلب وجسد کے اس مقام پر فائز ہوتے ہیں، جہاں تک عوام کی رسائی ممکن نہیں۔[33]

عصر حاضر میں ناموسِ رسالت ﷺ اور اسلاموفوبیا جیسے مسائل حد سے بڑھ گئے ہیں۔ مسلم حکمرانوں کو اس بارے میں اجتماعی اور دوٹوک مؤقف اپنا ہوگا۔ مغربی ممالک سے مسلم ممالک کی دوستی اور خارجہ تعلقات کو بروئے کار لا کر اہانت آمیز رویوں اور آزادی اظہار کے فرق کو واضح کرنا ہوگا، تاکہ مغربی ممالک میں اس بارے میں قانون سازی ہو سکے، اور قانون پر عملدرآمد کیا جا سکے۔ مسلمان آج بھی اسی نظریے سے وابستہ ہیں کہ سابقہ انبیاء ورسل علیہم السلام پر یقین کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ اس لیے مسلمان کسی دین کے بانی کی قدر و منزلت کے بارے میں حد درجہ محتاط رہتے ہیں، وہ بجا توقع رکھتے ہیں کہ ان کی محبوب ہستیوں کے بارے میں مغرب بہتر رویہ اپنائے۔ ختم نبوت مسلمانوں کے لیے ایک حساس مسئلہ ہے۔ اگر اس پر کوئی گروہ کاربند نہیں ہوتا تو وہ اپنے انداز سے یقین وعمل کی راہ اپنائے، مگر مسلمان اس سے یہی تقاضا کرتے ہیں کہ وہ اسلامی دائرے میں ایسا کچھ نہ کرے جو مسلمانوں کے دلی آزار کا باعث بنے۔

د۔ مفکرین یونان کو معیار حق ماننا

قدیم فلسفے کی بنیاد اور پس منظر پر نظر ڈالتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ سقراطی دور میں سوفسطائیہ نے حواس، جبکہ سقراط (۴۶۹ق م تا ۳۹۹ق م) نے عقل کو معتبر ذریعہ علم ٹھہرایا۔ اس کے ہاں دیوتاؤں کی کثرت آخر میں ایک وحدت کی طرف آجاتی ہے۔[34] افلاطون (۴۲۷ق م تا ۳۴۷ق م) نے سقراط کا نظریہ علم اختیار کیا اور اسے وجودی رنگ دے کر نظریہ امثال کے طور پر پیش کیا۔ ارسطو (۳۸۴ق م) نے سقراط اور افلاطون کی قائم کردہ بناء پر، علم منطق کی تعمیر کھڑی کی۔ اس کا کہنا ہے کہ حواس ہمیں کبھی دھوکہ نہیں دیتے۔ تمام غلطی ان کی شہادت کی غلط تاویل سے پیدا ہوتی ہے۔ ارسطو نے ارواح کے تناسخ کے نظریہ کا مذاق اڑایا ہے۔[35]

1۔ امام غزالی کا فہم نص

یونانی مفکرین کو معیار حق ماننے کا توڑ کرنے کیلئے امام غزالی (۱۰۵۸ء تا ۱۱۱۱ء) آگے بڑھے۔ ایک مقام پر آپ کہتے ہیں کہ انسانوں کے لیے وحی الہٰی کے بنیادی عقائد ہمیشہ یکساں رہے ہیں، بس تمدن و معاشرت کے انداز بدلتے رہے ہیں۔ اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ مستقبل میں بھی ارتقاء اور ترقی کی وجہ سے عقائد میں تبدیلی نہ ہو گی۔[36] آپ کی نصوص فہمی کو امت مسلمہ میں بے حد پذیرائی ملی۔ علمائے یورپ کہتے ہیں کہ غزالی نے مشرق میں فلسفے کی دھجیاں اڑادیں اور مغرب میں بھی اس کا یہی حشر ہوتا اگر ابن رشد، ان کی حمایت نہ کرتا، اور ایک عرصے تک ان کو زندہ نہ رکھتا۔[37] ایک طویل عرصہ فکری حرکت کے بعد بالآخر اسلامی فلسفہ جمود کا شکار ہوگیا۔ مغربی مفکرین اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے امام غزالی کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ وہ اس بارے میں ان مخالف عناصر کو فراموش کر دیتے ہیں، جنہوں نے فلسفے کی آڑ میں زندیقیت کو ہوا دی تھی۔ سقوط غرناطہ اور سقوط بغداد نے مسلم فکر کو گزند پہنچائی، جب کہ منگول اور عثمانی ترکوں کے دور میں سائنس کی عدم ضرورت کا احساس پیدا ہوا۔ اس وقت ایک فلسفی یا سائنسدان بننے کی نسبت ایک عالم اور مفتی بننے کو زیادہ ترجیح دی جاتی تھی۔

عصر حاضر میں مسلمان بھی سائنس پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ اس لیے مغربی نظریات اور دانشوروں کی قدر و منزلت زیادہ کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کو سائنس و ٹیکنالوجی ضرور سیکھنی چاہیئے، لیکن اس طریقے سے کہ وہ اپنے عقائد و نظریات کو فراموش نہ کریں۔ نظام تعلیم ایسا ہونا چاہیئے کہ طلبہ دینی علم سے بخوبی واقف ہوں، اور جدید نظریات سے آگاہی کے وقت ان کے سامنے اسلامی تعلیمات ہوں۔ اس لحاظ سے اہل علم کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے کہ وہ تقابلی انداز سے جدید نظریات کو پرکھیں، اور بہتر فکر کو متعارف کرائیں، تاکہ مسلم طلبہ سائنس پرستی کی رو میں نہ بہیں۔

2۔ علامہ ابن خلدون کا فہم نص

متاخرین فلاسفہ میں ابوزید ولی الدین عبدالرحمن بن محمد بن خلدون (۱۳۳۲ء تا ۱۴۰۶ء) کو مؤرخین فرنگ نے علوم اجتماعی، اقتصادیات اور فلسفہ تاریخ کا بانی قرار دیا ہے۔[38] ابن خلدون نے تمدن اور آبادی پر عقائد کے اثرات پر روشنی ڈالی ہے کہ قدیم یونان کی بت پرست قوم کے ہاں کسی نبیؑ کی تعلیمات نہیں ملتیں، اور دوسری اقوام جن میں، انبیاءؑ کی تعلیمات ملتی ہیں وہاں فلاسفہ و حکماء پیدا نہیں ہوئے، جبکہ مسلمانوں کے دور عروج میں اپنے نبی کریم ﷺ کی تعلیمات اور فلسفیانہ افکار ایک ساتھ چلتی رہیں۔

ر۔ تشکیک اور زندیقیت

ارسطو کے بعد یونانی فلسفہ کے دو نمایاں مکاتب بنے، جن میں سے رواقیت کے دبستان میں عقلیت پسندی کا پرچار کیا جاتا تھا اور حواس کو ذہن پر فوقیت دی جاتی تھی، جبکہ ابیقوریت کے مکتب کی فکر سے لادینیت، الحاد اور زندیقیت عام ہونا شروع ہوئی۔ دونوں فلسفیانہ مکاتب فکر کے نظریاتی بُعد سے تشکیک کے دو مکتبہ فکر نمایاں ہوئے۔ فلسفہ یونان کے آخری دور میں نوفلاطونیت ایک متصوفانہ تحریک ہے، جس کی مراقبہ، چلہ کشی اور مکاشفہ کی اشراقی سوچ مسیحیت اور اس کی رہبانیت نے لے لی۔ تب سے یونان سمیت تاریخ مغرب یہ رہی کہ مسیحی حکمرانوں نے فکر و فلسفہ کو دین سے متعارض ہونے پر پر پابندی لگادی، اور جب مسیحیت قابل اصلاح ٹھہری تو عقل و خرد نے اسے حدود و قیود کا مستحق قرار دیا۔

1۔ ابتدائی اندلسی مفکرین کا فہم نص

مغرب میں احیائے علوم کیلئے مسلم اندلس کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، جہاں علوم فلسفہ کے مطالعہ کے لیے ایک باقاعدہ نظام قائم کرنے میں ابوبکر محمد ابن باجہ (۱۱۳۹ء) کا ہاتھ تھا۔ اس بلند عربی عمارت کی بنیادوں میں محمد بن مسرہ القرطبی (۲۶۹۔۳۱۹ھ) نے بہت عرق ریزی اور محنت سے مضبوطی لانے کی کوشش کی تھی۔ جس کا کہنا تھا کہ عقلی نظر وحی کی مخالف نہیں۔ ابوبکر محمد بن طفیل القیسی کی تالیفات میں صرف ایک حی بن یقظان رہ گئی ہے۔ اس قصہ کا نتیجہ یہ ہے کہ فلسفہ و تصوف اور شریعت سب کا منبع ایک ہے اور ایک مکمل نظام تمدن کیلئے تینوں کی یکساں ضرورت ہے۔

2۔ متاخر اندلسی مفکرین کا فہم نص

ابن رشد کی تالیفات میں فلسفیانہ شبہات کا رد ہے، نیز ان میں امام غزالی کے فلسفے کے خلاف دلائل کا رد بھی ملتا ہے۔ اپنی فہم کے مطابق، انہوں نے کسی طبقے سے بنا کر رکھنے کے بجائے، تخلیقی رائے زنی ضروری سمجھی اور مشکلات برداشت کیں۔ ابن رشد کا فکری جانشین یہودی علم کلام کا ایک امام موسیٰ بن میمون اسرائیلی تھا، جس کے ذریعے یورپ میں علوم فلسفہ کے مطالعہ کو تحریک ملی، اور رشدی تحریک آزادی کے پھریرے لہراتی رہی۔ اس افراط شدہ آزادی کی ایک عصری مثال سلمان رشدی ہے۔

3۔ معتزلہ کا فہم نص

ابتداء میں ہی معتزلہ نے علم کلام کے ذریعے اسلام کا دفاعی مورچہ سنبھالا، تو خود کو دشمنان اسلام کے فکری ہتھیاروں سے لیس کر لیا۔ ان کی ابتداء کے بارے میں کئی روایات ہیں، جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ جب واصل بن عطاء نے اپنے استاد امام

حسن بصری کے ساتھ اعلانیہ ایک مسئلہ میں مخالفت کی تو آپ نے اس سے کہا اِعْتَزِلْ عَنّا۔ اس سے ان کا نام معتزلہ پڑ گیا۔[39] ان کی عقلیت پسندی کا یہ عالم ہے کہ وہ دلائل میں عقل کو نص پر فوقیت دیتے تھے۔
ان کے قاضی القضاء کے لقب سے ملقب، قاضی عبد الجبار لکھتے ہیں:

ان الادلة اربعة: حجة العقل والكتاب والسنة والاجماع۔ ومعرفة الله لاتنال الابحجة العقل۔[40]

"دلائل چار طرح کے ہوتے ہیں۔ عقل، کتاب، سنت اور اجماع، اور معرفت الٰہی عقلی حجت کے بغیر نہیں حاصل کی جاتی۔"

عقل کو نقل پر مقدم رکھنے کی فکر کو جمہور علمائے اسلام نے تسلیم نہیں کیا، لیکن ایک جدید، خاتون اسلامی سکالر، ڈاکٹر فاطمہ اسمٰعیل مصری نے اس کی توجیہ کرنے کی کوشش یوں کی ہے:

"قاضی عبد الجبار کے دلائل کی ترتیب میں عقل کے مقدم ہونے کو، تشریعی کے بجائے، ترتیبی کہنا زیادہ مناسب ہے، کیونکہ گھر سے نکل کر مسجد جانے والا، لازماً مسجد تک کے راستے کو طے کرے گا، لیکن مسجد سے پہلے راستہ کو طے کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ راستہ کو مسجد پر فضیلت دی جا رہی ہے، اور مسجد کے مقابلہ میں رستے کو مشرف و معزز سمجھا جا رہا ہے، بلکہ یہ تو معاملات کی منطقی ترتیب ہے۔۔۔۔ معتزلہ کی اس فکر کا پس منظر ملحدین، اور منکرین نبوت گروہوں، سے ان کے مناظرے تھے۔ فریق مخالف نقل کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہ تھا۔"[41]

عصر حاضر میں مغربی تعلیم کے زیر اثر لادینیت اور الحاد کا فتنہ بڑھ رہا ہے۔ مسلم دانشور سیکولر سوچ کے بارے میں کافی تحقیقات کر رہے ہیں۔ اکیسویں صدی کی ابتداء سے ٹیکنالوجی کی ترقی ہوئی، اور سوشل میڈیا نے اس وجہ سے نئی نسل کی توجہ اپنی طرف زیادہ کھینچی ہے۔ مسلمان والدین کی اولاد دین سے بیزار اور خدا کے انکار کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے بڑھتے رجحان نے اس رفتار کو مزید تیز کیا ہے۔ آج مغرب کے زیر اثر فتنہ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ آج کے دانشور اپنی توجہات کا مرکز لادینیت اور الحاد کو اسی طرح بنائیں جس طرح قرون وسطی کے اہل علم نے اسے بنایا تھا۔

س۔ تشریح و فہم نص میں عقل کا کردار

معتزلہ روشن خیال اور آزادی آرا کا احترام کرنے کے حوالے سے مشہور ہیں، لیکن انہوں نے خلق قرآن کے مسئلہ میں انتہائی غلو اور مذہبی جبر سے کام لیا۔[42] مامون الرشید نے علمائے اسلام کو مسئلہ خلق قرآن تسلیم کرنے، اور ہم خیال ہونے کیلئے کئی خطوط لکھے کہ عوام الناس کا ایک بڑا گروہ اپنی کم عقلی، کوتاہ فہمی کی وجہ سے اللہ اور اس کی مخلوق میں فرق نہیں کر سکتے۔[43] اس نے اپنے جانشین معتصم باللہ کو خلق قرآن کی دعوت، اور احمد بن داؤد سے ہر حالت میں اپنی وابستگی کی وصیت کی تھی۔[44] بیرونی سرحدوں پر محاذ جنگ جیتنے کے بعد معتزلہ نے حد سے بڑھی ہوئی عقلیت پسندی اختیار کی، داخلی محاذ کو چھیڑ لیا۔ پھر طویل عرصہ کی آزمائشیں گزارنے کے بالآخر سنیت تمام عالم اسلام پر چھا گئی۔

1۔ حنابلہ و ظواہر کا فہم نص

اس پر آشوب دور میں اہل سنت کی رہنمائی امام احمد بن حنبل نے کی۔ نویں صدی عیسوی میں آپ ابتدائی متکلمین اور فقہا کی ظاہریت اور روایت پرستی کی طرف مراجعت کے سب سے بڑے علمبردار تھے۔[45] امام احمد پہلی چیز جس پر انحصار کرتے ہیں وہ نص ہے، جب آپ کو نص مل جاتی ہے تو اس کے بموجب فتویٰ دیتے ہیں، اور کسی دوسری چیز کی طرف دھیان نہیں دیتے۔[46]

عباسی دربار میں آپ نے نصوص کے ذریعے معتزلہ کو لاجواب کر دیا، جس کی اگلی نوبت زبان بندی تھی، تو آپ نے اپنے جسم کو سنیت کی ڈھال بنایا، اور شدت پسندی کا سامنا کرتے ہوئے، آپ عقلیت پسندی کے بارے میں حساس ہو گئے۔ اس کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ باطنیہ نے اس وقت اودھم مچا رکھا تھا۔ ان کا ماننا تھا کہ ابتدائی خالق نے چار طبیعتوں کی تدبیر کی، اور حقیقتاً یہ مجوس کے اس قول کے معنی ہیں کہ یزدان نے اہرمن کو پیدا کیا۔ ابو منصور بغدادی ان کا مشہور قول اس طرح بتاتے ہیں:

ان الظاهر كا لقشر و الباطن كا للب۔ واللب خير من القشر۔[47]

"ظاہر چھلکا ہے اور باطن مغز، جو چھلکے سے بہتر ہوتا ہے۔"

تاویل کے اس انتہا پسند رجحان کا توڑ حنابلہ نے نصوص سے منسلک ہونے میں تلاش کیا، حتیٰ کہ انہیں ظواہر کہا گیا۔ ابو داؤد الظاہری، (۲۰۱۔ ۲۷۰ھ)، ابن حزم الظاہری (۳۸۴۔۴۵۶ھ) ان کے پیشوا بنے، جن کا کہنا تھا کہ کلام الٰہی کے ظاہر پر عمل کرنا واجب ہے، تاوقتیکہ کوئی نص، اجماع یا حسی ضرورت اس بات کا تقاضا کرے کہ ظاہر سے منتقل کر کے، کسی اور مفہوم کو لینا ضروری ہے۔[48] امام ابن تیمیہ (۱۲۶۳ء تا ۱۳۲۸ء) حنابلہ کے اہم مفکر ہیں، جو فہم نصوص میں عقل کے بجائے سلف کی آراء کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ وہ فلاسفہ کے عقلی دلائل، متکلمین کی عقل کو نقل پر ترجیحی سوچ، امام ماتریدی کے عقائد میں عقلی دلائل اور اشاعرہ کے نقلی و عقلی استدلال کی ہم آہنگی سے نالاں ہیں۔

2۔ اشاعرہ کا فہم نص

اہل سنت کا دوسرا اصولی دبستان اشاعرہ ہے۔ امام ابو الحسن اشعری (۲۶۰ھ۔ ۳۳۰ھ) معتزلہ کے ساختہ پر داختہ اور معتزلہ کے شیخ العصر ابو علی جبائی کے شاگرد تھے۔ تب معتزلہ بغداد و بصرہ کے محراب و منبر اور مجلسی دائروں پر بری طرح مسلط تھے۔ اشعری نے ان کا زور توڑا۔ اشعری اعتزال کی کلامی گتھیاں سلجھا رہے تھے، اور درس و تدریس کے مسند پر براجمان تھے کہ بشارت نبویؐ سے ذہنی حالت تبدیل ہوگئی اور فکر میں انقلاب برپا ہو گیا۔ ۳۰۰ھ میں انہوں نے ایک جمعہ کے روز معتزلہ کے خیالات سے تائب ہو جانے کا اعلان کیا اور پکے سنی ہو گئے۔[49] تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا۔ یک درس کے دوران مباحثہ، سنیت سے اعتزال کے الگ تھلک ہونے کی وجہ بنا تھا۔ اب نتیجہ مختلف تھا کیونکہ اعتزال سے سنیت نمودار ہوئی۔ امام اشعری کے بقول ہم خدا کو عقل سے پہچانتے ہیں لیکن محض وحی کے ذریعے سے جس کے سوا ہمارے علم کا کوئی ماخذ نہیں۔ آپ عقل انسانی کو ظواہر نصوص کا ایک ایسا خادم ٹھہراتے ہیں، جو ہر جگہ ان کی تائید و توثیق کرتی ہے۔[50] اشاعرہ کی مقبولیت کی وجوہات یہ ہیں کہ انہوں نے فلسفے کی موشگافیاں حد میں رکھیں، انہیں پے در پے اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں والے رہنما ملے، اشاعرہ نے تصانیف پر مسلسل توجہ دی، ان کے مسلک کا مرکز عراق تھا اور نیک نام سلطان ایوبی کی عوامی اپیل ان کے حق میں تھی۔

3۔ ماتریدیہ کا فہم نص

ماتریدیہ اہل سنت کا تیسرا اہم مکتبہ فکر ہے جو اصولی اور فروعی اعتبار سے حنفی المذہب ہے۔ اس کی بنیاد امام اعظم اور امام طحاوی کے اصول و عقائد پر قائم ہے، جو فہم نص میں دیگر محدثین کی نسبت توسع سے کام لیتے تھے۔ محدثین کہتے ہیں کہ عمل بھی جزو ایمان ہے۔ احناف کے مطابق عمل جزو ایمان نہیں۔ مراد کے اعتبار سے حاصل دونوں کا اگرچہ ایک ہی ہے۔[51] خوارج کے مقابلے پر عقاب و ثواب کے قطعی حکم نہ لگانے کو لوگ ارجاء کہتے تھے، اور اسی اعتبار سے دیگر محدثین کی طرف سے امام ابو حنیفہ وغیرہ کو مرجئہ قرار دیا گیا۔[52]

معتزلہ کی اکثریت فروعی مسائل میں امام اعظم کی پیرو تھی، لیکن مستند حنفی اصولی دبستان ماتریدیہ، معتزلہ سے نظریاتی بُعد رکھتا تھا، وہ معدودے چند مسائل میں ان کے حامی تھے جیسے: شرعی مسائل میں فکر و نظر ضروری ہے، خدا کی معرفت عقل سے حاصل ہوتی ہے اور حسن و قبح کا مدار عقل انسانی پر ہے۔[53]

اہل سنت کے اصولی مکاتب فکر میں باہمی چپقلش بھی چلتی رہتی تھی۔ اسی لیے قدیم زمانہ میں کسی حنفی کا اشعری ہونا تعجب کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، لیکن اب ایسا نہیں ہے کیونکہ امام غزالی نے امت مسلمہ کو قریب لانے میں کافی حد تک کامیابی حاصل کی ہے، اور تدبیر الٰہی ہے کہ جدید افکار و نظریات کے امت مسلمہ پر پے در پے حملوں نے رہی سہی کسر نکال دی ہے۔

عقل کے دائرہ کار کے لحاظ سے علمائے کلام کی تحقیقات کا حاصل یہ ہے کہ معتزلہ اور حنابلہ انتہاء پر ہیں۔ جن کے درمیان میں اشاعرہ اور ماتریدیہ آتے ہیں۔ وسطی درجے میں اشاعرہ حنابلہ کے رخ پر ہیں، اور ماتریدیہ معتزلہ کے قریب، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ سنی مکاتب فکر کے اکابر کو نص کے دائرے سے باہر نکلنا گوارا نہ تھا، یعنی وہ عقل کو نص کے تابع سمجھتے تھے، اور ان کی اکثریت عقلی انداز سے اسلامی عقائد کو ثابت کرنے میں مگن رہی۔

معتزلہ عقل کے ذریعے معرفت الٰہی کا حصول واجب قرار دیتے ہیں جبکہ اہل سنت میں سے اشاعرہ کا کہنا ہے کہ انبیاء کرام کی بعثت سے پہلے ایمان واجب نہیں تھا۔ ماتریدیہ معرفت الٰہی کے ادراک میں عقل کے کردار کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن احکام شریعت کی معرفت کا اس سے مستقل حصول ناممکن سمجھتے ہیں۔ وہ حنابلہ اور اشاعرہ کی نسبت نص اور عقل دونوں پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں اور صرف شریعت کے موافق عقلی احکام کو ہی جائز سمجھتے ہیں، جو عصر حاضر کے فکری مسائل کے حل میں زیادہ موزوں روش ہے۔ عصر حاضر میں بھی اس طرح مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے۔

خلاصہ بحث

مسلم فکر کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ قرونِ وسطیٰ میں مسلمانوں کو اسی طرح فکری تحدیات درپیش تھے، جیسا کہ دور جدید میں ہیں۔ اس مضمون میں چند ایک فکری تحدیات پر بات کی گئی ہے اور مسلم مفکرین کی اس بارے میں خدمات بیان کی گئی ہیں۔ مسلم فکر کو ایک مسئلہ یہ درپیش تھا کہ ذرائع علم میں لوگ عقل کی ترجیح یوں دینے لگے کہ اس رجحان کی وجہ سے انہوں نے دین اور وحی کی اہمیت سے انکار کرنا شروع کر دیا۔ ابن اسحٰق الکندی، ابو النصر فارابی، ابن رشد اور متکلمین نے اپنے اپنے انداز سے اس رجحان کا راستہ روکا۔ جب مسلمانوں میں فلسفیانہ افکار بہت زیادہ مؤثر ہو گئے تو یونانی فلسفہ کے مترجمین نے ابتدائی کاوشیں کیں اور پھر اپنی عمدہ تحقیقات کے ذریعے مسلم متکلمین نے اس بارے میں فیصلہ کن آراء پیش کیں۔ قرون وسطیٰ میں ایک فکر ایسی سامنے آئی کہ کچھ گروہ مقام انبیاءؑ سے غفلت برتنے لگے، تو فلسفیانہ انداز سے بو علی بن سینا اور نصیر الدین طوسی نے مسلم فکر کی صحیح ترجمانی کی۔ جب یونانی فلسفہ کے مطالعے کا اثر لے کر لوگ وہاں کے مفکرین کو بلند معیار دینے لگے، حتیٰ کہ انہیں حق کا معیار مانا جانے لگا تو امام غزالی اور ابن خلدون نے امتِ مسلمہ کو صحیح طریقہ دکھلایا۔ جب تشکیک و انکار، زندیقیت و الحاد اور عقلیت پسندی کی طرف لوگ مائل ہوئے تو ایسے رجحانات کو اندلس کے ابتدائی اور متاخر حکماء نے روکا، اور خاص طور پر معتزلہ نے ان کی بیخ کنی کی۔ جب فہم اور تشریح نص کے مسائل ابھرے تو حنابلہ اور ظواہر، اشاعرہ اور ماتریدیہ نے اپنے اپنے انداز سے نصوص فہمی اور تشریحِ نص کے بارے میں ایسے حل پیش کیے جن سے اب تک لوگ استفادہ کر رہے ہیں۔

References

[1] Allama Mohammad Iqbal, *Bāng-e-Darū* (Lahore: Zakā Publishers, 2009), 48.

[2] Ibn al-Manzūr al-Afrīqī, *Lisān al-'Arab* (Beirut: Dār al-Kutub al-'Arabiya, 1992), 11: 97.

[3] Ali Bin Ali al-Jurjānī, *Kitab al-Ta 'rifāt* (Beruit: Dar al- Kutub al- Arabiya, 1343 AH), 191.

[4] Muhammad Tāhir al-Qādri, *Naṣ aur Ta'beer –e-Naṣ* (Lahore: Minhāj al-Quran Publications, 201), 28.

[5] Al-Hākim al-Nīshāpuri, *Al-Mustadrak 'ala al-Sahihayn* (Lahore: Maktabā Al-Nōmāniya), 93.

[6] Ibn Khaldūn, *Muqaddimah* (Karachi: Noor Muhammad Asah al- Matalib), 73.

[7] Ashraf 'Alī Thānvī, *Bayān al-Qur'ān* (Karachi: H. M. Saeed Co. 1353 AD), 9: 70.
[8] Ibn al-Manzūr, *Lisān al-'Arab*, 11:488.
[9] *Urdu Dā' ira Ma 'ārif Islāmīya* (Lahore: Punjab University, 1976), 406.
[10] Al-Jurjānī, *Kitab al-Ta 'rifāt* 79.
[11] Shibli Nomani, *Al-Ma'mūn* (Lahore: Islamī Akādmī), 143.
[12] William Oliver Stevens, *Famous Scientists*, Trans: Aslam Khokhar (Lahore: Book Home, 2008), 26.
[13] Dr. Fātima Isma'il Misrī, *Quran Aur Aql* (Lahore: Dār al- Tadhkir, 2003), 148.
[14] Mohammad Ikrām Chughtai, *Ma'rūf Muslim Science Dān* (Lahore: Urdu Science Board, 1993), 271.
[15] Mohammad Luṭfī Jum'a, *Tārīkh Falasafat-ul-Islam* (Karachi: Masood Publishing house, 1964), 49.
[16] Ibn Rushd, *Fasl al-Maqāl fī mā bayn al-Sharīah wa al-hikmā min-al-Ittiṣāl* (Beruit: Markaz al-Wahdah al-Arabia, 1997), 107.
[17] Ibn Rushd, *Al-Kashf 'an Manāhij al-adillāh* (Beruit: Markaz al-wahdah al-Arabia, 1998), 148.
[18] Malik Ashfaq, *Ibn Khaldūn: Hayāt Falsafah aur Nazri'āt* (Lahore: Book Home, 2009), 143.
[19] Najmul Ghani Khan Najmi Rampurī, *Madhāhib-ul-Islam* (Lahore, Razā Publications, 1987), 18.
[20] Misrī, *Quran Aur Aql*, 148.
[21] Ashraf 'Alī Thānvī, Islam Aur Aqliyyat (Lahore: Idāra Tā'līfāt Ashrafiya, 1977), 7.
[22] Chughtai, *Tashrīhī Lughāt* (Lahore: Urdu Science Board, 2001), 481.
[23] Ibn Abī Uṣaybi'ah, *'Uyūn al-Anbā' fī Ṭabaqāt al-Aṭibbā* (Lahore: Idara Matbuaat Sulemani, 1993), 297.
[24] Almās Khālid, *Afkār-e-Yūnān* (Lahore: Dār al-Tadhkīr, 2001), 7.
[25] Abdus Salām Nadvi, *Hukama-e-Islam*, (Azam Garh: Dārul Musannefīn, 1954), 1:118.
[26] Bertrand Russell, *A History of Western Philosophy* (Islamabad: Poorab Academy, 2010), 213.
[27] Miyaa'n Mohammad Sharīf, *Musalmanūn kay Afkār* (Lahore: Majlis-e-Taraqqi-e-Adab, 2004), 75.
[28] Fazl–ur-Rahmān, *Islam Aur Jadīdīyat* (Lahore: Mashal Books, 1998), 43.
[29] Abū al-A'lā al-Mawdūdī, *Seerat-e-Sarwar-e-'Alam* (Lahore: Idara Tarjumān–ul-Quran, 1980), 76.
[30] Muhammad Tāhir al-Qādri, *Kitab al-Tawheed* (Lahore: Minhāj-ul-Quran Publications, 2001) 1: 79.
[31] Ruqaiyya Ja'fari, *Dunya ke Azīm Sainsdān* (Lahore: Urdu Science Board, 2011), 54.
[32] Seyyed Hossein Nasr, *Teen Musalman Phailasūf* (Lahore: Idara Saqafat e Islamia, 1978), 44.
[33] Nasir al-Din (al-) Ṭusi, *Sharh al- Ishāraāt* (Tehran, 1404 AH), 199.
[34] Wilhelm Windelband, *The History of Greek Philosophy* (Karachi: Nafees Academy, 1987), 84.
[35] Malik Ashfaq, *Arastu: Hayaat Falsafah aur Nazriaat* (Lahore: Book Home, 2009), 137.
[36] Muhammad Hanif Nadvi, *Sarguzasht e Ghazali* (Lahore: Ilm o Irfan Publishers, 1999), 70.
[37] Hanif Nadvi, *Tahafa al- filasfa* (Lahore: Ilm o Irfan Publishers, 2004), 28.
[38] Lutfi Jum'a, *Tareekh Falasafat-ul-Islam*, 327.
[39] Rampurī, *Madhahib al- Islam*, 101.

[40] Qazi Abdul Jabbār Bin Aḥmad, *Sharh al-Usūl al- Khamsah,* (Cairo: Maktaba Wahaba, 1994), 88.
[41] Misrī, *Quran Aur Aql*, 154.
[42] Syed Abul Ḥasan 'Ali Nadvī, *Tārikh-e-Da'wat-o-'Azīmat* (Karachi: Majlis-e-Nashriyat e Islam, 1403 AH), I: 107.
[43] Abū Ja'far Muhammad ibn Jarīr ibn Yazīd al-Ṭabarī, *Tārīkh al-Rusūl wa al-Mulūk* (Karachi: Dār al- Ishāt, 2011) 4: 228.
[44] Shibli, *Ilm-ul-Kalam aur Al-Kalam* (Karachi: Nafees Academy), 143.
[45] Majid Fakhrī, *Ilmī Falsafa kī Tarīkh* (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2012), 297.
[46] Muhammad Abū Zahra, *Ibn Ḥanbal: Hayātuhu wa Asruhu – Aarāuhu wa Fiqhuhu* (Faisalabad: Malik Sons, 1981), 331.
[47] Abū Manṣūr al-Baghdādī, *Al-Farq Bayn Al-Firaq* (Cairo: Maktaba Ibn Sena, 1409 AH), 242.
[48] Abū Mohammad 'Ali Bin Aḥmad Ibn Ḥazm, *Al- Fasl fī al-Milal wa al-Ahwa wa al-Nihl* (Lahore: Umar Farooq Academy, 1987), 301.
[49] Ihsan Ahmad, *Philosophy of Islam* (Lahore: Book Home, 2004), 194.
[50] Syed Abid Hussein, *Tarīkh Falāsfa Islam* (Lahore: Maktaba Aliya, 1987), 46.
[51] Shabbir Ahmad Uthmanī, *Sharh Sahih Bukhari* (Karachi: Idara Uloom e Shariya, 1393 AH), I: 252.
[52] Naimat Ullah A'zami, *Hazrat Imam Abū Hanīfa par 'Irjā' ki Tohmat* (New Delhi: Jamī'at 'Ulama-e-Hind, Bahadur Shah Zafar Marg), 22.
[53] Muhammad Abū Zahra, *Tarikh al-Madhahib al-Islamiyya* (Faisalabad: Mali Sons), 302.